کوئی کچھ بھی کہے، کہے مجھے کیا
بات جو میرے دل میں ہے، میں اگر
آج اپنی زبان پہ لا نہ سکا،
کل، میرے بعد، تیری منڈلی پہ جب
آگ برسے گی -- کون بولے گا!

مجید امجد

چار چیزیں ہیں جو ہر دسمبر میں مجھے بلاتی ہیں — ان میں سے ایک شکار ہے، قادر آباد کے آس پاس — اور وادیٔ سوات کا ایک سفیٹی منظر ہے — اور کامران کی بارہ دری سے لگ کر بہتا ہوا دریائے راوی ہے — اور چوک چکلہ ہے۔

چار چیزیں ہیں....

"پانی ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں —" ملاح نے جواب دیا۔

کیا یہ — پانی پیا جا سکتا ہے؟"

"نہیں — یہ ٹھہرا ہوا ہے، اس میں مچھلیاں اور مینڈک مرتے رہتے ہیں.. اور — رات کو سؤر بھی یہیں آتے ہیں، پینے کے لیے۔"

ملاح نے "سؤر" کا لفظ نہیں بولا تھا، بلکہ "باہر والے" کہا تھا تاکہ اس کی زبان پلید نہ ہو جائے..

اگر اس ملاح کو یہ معلوم ہو جائے کہ انگلستان میں متعدد بار بیکن اینڈ ایگ کا ناشتہ اس حقیر کے حلق سے اتر چکا ہے تو اس کا کیا ردِ عمل ہو گا....

کشتی سرکنڈوں کی جانب جا رہی تھی۔

"جلدی کرو، روشنی ہو رہی ہے۔"

"اور کتنی جلدی کروں چودھری صاحب —" ملاح ناگواری سے بولا۔

سرکنڈوں کے اندر پانی کی سطح پر سے دھند اُٹھ رہی تھی... اس کی سفیدی میں سرکنڈوں کے پیکر ہولے ہولے حرکت کرتے تھے اور یہاں چونکہ گہرائی کم تھی اس لیے کہر کی ایک پتلی چادر پانی پر اکڑی ہوئی پڑی تھی اور کشتی کی روانی اس باریک شیشے کو کرچ کرچ کرتی چلی جا رہی تھی۔

"اس بوتل میں پانی نہیں ہے؟ —" ملاح نے گردن کو بل دے کر پیچھے دیکھا۔

اور ان تین شکاری تھیلوں کو دیکھا جن میں سے ایک کے فلیپ کو دوہرا کرتی فلاسک باہر جھانکتی تھی۔

"نہیں — اس میں کافی ہے۔" اس نے اپنی افغانی جیکٹ کی جیب میں انگلیاں سیدھی کیں۔

"کھانے کو کچھ نہیں لائے چودھری صاحب —"

"ہوں —" اس نے سر ہلایا.. "یہ سوئیس لو گے؟" اس نے سوئیس کا ایک پیکٹ ملاح کے آگے پھینک دیا..

"مہربانی جی —" ملاح نے پیکٹ کُرتے کی جیب میں ٹھونس لیا۔

اندھیرے میں لَو دیتے ڈائل کو وہ اپنی آنکھوں کے قریب لایا — ابھی سورج نکلنے میں آدھ گھنٹہ باقی تھا۔

کشتی کی رفتار یکدم دھیمی پڑ گئی۔ ملاح نے چپو اٹھا لیے تھے اور کشتی کا رُخ سرکنڈوں کو روندتا چلا جا رہا تھا اور سرکنڈے ابھی سیدھے کھڑے ہیں اور ابھی کشتی کے آگے بچھے چلے جا رہے ہیں... کشتی اٹک اٹک کر رکنے لگی تو ملاح نے پھر پیچھے دیکھا "یہاں ٹھیک ہے جی؟"

"نہیں —" اس نے فوراً کہا "یہاں ہم نظر آ جائیں گے — ذرا ادھر کنارے کے قریب جو ڈھب ہے ادھر لے چلو —"

ملاح نے اس کے فیصلے کو پسند نہیں کیا اور ذرا بے توجّگی سے پھر چپو اٹھا لیے... وہاں ڈھب اور سرکنڈوں میں وہ بالکل اوجھل ہو گئے۔

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ —"

ملاح نے اپنے تہمد کی گرہ ڈھیلی کی اور اُسے کھول کر سر پر رکھ لیا۔ پانی میں اترنے سے پیشتر اس نے سوئیس کا پیکٹ بھی کرتے کی جیب میں سے نکال لیا۔ لیکن یہ احتیاط ضروری تھی کیونکہ یہاں پانی گھٹنوں سے اوپر نہیں آتا تھا.. زندگی بھر کے یخ تجربے باوجود ملاح نے جونہی پانی میں قدم رکھا اس کے مُنہ سے بلند آہنگ میں ایک نہایت گالی برآمد ہوئی اور اس کا پورا بدن ٹھٹھرنے لگا لیکن کنارہ ساتھ ہی تھا۔ اس نے باندھتے ہوئے پیچھے دیکھا تو وہ سرکنڈے بھی گہری دھند میں جا چکے تھے جن کے اندر وہ کشتی تھی۔

مشاہد علی کشتی کے کناروں کے اندر تک جھکا اور پھر بے حد احتیاط سے ہتھیلیوں کے حصار کے اندر لائٹر کے مدھم شعلے کو بند کر کے ایک سگرٹ سلگا لیا... اور سگرٹ سلگاتے ہی وہ سیدھا ہوا اور اس نے اپنے آس پاس نہایت غور سے دیکھا اور ہر شکاری جو سگرٹ سلگاتا ہے وہ غیر شعوری طور پر ایسے ہی کرتا ہے... اور وہاں جہاں تک وہ اس تاریکی میں گھلتی سفیدی میں دیکھ سکتا تھا، وہاں دُھند اور سرکنڈے تھے اور گلی سڑی گھاس کی بو تھی... اور کوئی نہ تھا۔

وہ آج خوش قسمت رہا تھا — ایسا بھی ہوتا کہ کوئی شکاری اپنے تئیں کسی نہایت غیر معروف اور دوسرے شکاریوں کی فہم سے اوجھل کسی سپاٹ میں دبکا بیٹھا سگرٹ سلگا کر آس پاس دیکھتا تو ہر جھاڑی اور ہر سرکنڈے میں اسے سگرٹوں کے جگنو دمکتے دکھائی دیتے... دوسرے شکاری وہاں پہلے سے موجود ہوتے... اور کسی معزز شکاری کے لیے اس سے بڑی حرماں نصیبی اور کوئی نہیں ہوتی کہ اس کے دریافت کردہ شاندار سپاٹ پر درجنوں شکاری پہلے سے موجود سینڈوچ کھا کر سگرٹ پی رہے ہوں —

لیکن مشاہد علی آج خوش قسمت رہا تھا — وہاں اور کوئی نہ تھا۔

کشتی کے گیلے پیندے پر اس کے تینوں تھیلے پڑے تھے۔ خوراک والا تھیلا وہی تھا جس میں سے فلاسک جھانکتی تھی اور اس میں برگیتا کے بنائے ہوئے ٹھنڈے سوئیڈش سینڈوچ بھی تھے... ویڈرز والا تھیلا پچکا پڑا تھا کیونکہ ریکسین کے بنے ہوئے واٹر پروف ویڈرز اس کے بدن پر کھنچے ہوئے تھے... تیسرا تھیلا بھی خالی تھا سوائے چھ نمبر کے کارتوسوں کے تین ڈبوں کے.. اور بندوق اس کے گھٹنوں پر آرام کر رہی تھی.. وہ بار بار اس پر ہاتھ پھیر کر اندھیرے میں مسکراتا... اس کے ذہن میں بہت کچھ آتا اور وہ سر جھٹک دیتا.. بندوق کی نالیوں کے درمیان اس کی انگلیاں پھسلتی ہوئی چلتی جاتیں اور ہر لمحہ اسے یقین ہوتا کہ اب وہ کسی ابھار پر ہوں گی لیکن وہ تقریباً اسی سطح پر رہتیں... روسی ساخت کی بیکال ایک حصے سے اس کا ساتھ دے رہی تھی... یہ متعدد بار پانی میں بھی گری، جیپ کے آہنی فریم کے ساتھ برابر ٹکراتے رہنے کے باوجود وہ پہلے دن کی طرح مضبوط اور خوش وضع تھی۔ سے بغیر وجہ کے رف اینڈ ٹف نہیں کہا جاتا تھا.. بیکال یوں بھی ہالینڈ اینڈ ہالینڈ اور پرڈی کی ہت سستی بندوق تھی.. اس نے اسے ان زمانوں میں حاصل کیا تھا جب اس کا ہاتھ رے تنگ تھا لیکن اب تو وہ ہالینڈ اینڈ ہالینڈ بھی خرید سکتا تھا لیکن بیکال اس کی ساتھی بن

چکی تھی اور وہ اس سے جدا نہیں ہو سکتا تھا... ویسے بھی جدائی کے دن شاید قریب تھے شکار کے احساس میں، اس کی طلب اور دیوانگی میں اب وہ تقریباً جنسی وحشت مفقود ہو رہ تھی جو پچھلے برسوں میں تھی... جونہی موسم بدلتا تھا، راتیں سرد ہونے کو آتیں اور ہوا بدا کو چھوتی ہوئی اس کے لوُں لوُں کو کھُردرا کرتی تو اس کے پورے بدن میں پرندوں کے پروں کی شائیں شائیں چلنے لگتی... اور تب شکار کی تیاری شروع ہو جاتی... وہ ہر دوسرے چوتھے روز اس سپاٹ پر پہنچ جاتا جہاں اسے دسمبر کے دنوں میں آنا تھا۔ اور سورج طلوع ہونے سے نصف گھنٹہ پیشتر پہنچتا، صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ یہاں ہوا کا رخ کیا ہو گا مرغابی کدھر سے آئے گی اور بیٹھنے کے لیے سب سے بہتر جگہ کونسی ہو سکتی ہے... لیکن اس دسمبر میں بدن کو وہ کچھ نہ ہوتا تھا جو پہلے ہوا کرتا تھا... شاید جدائی کے دن قریب تھے

اس نے کلائی اپنی آنکھوں کے قریب کی... روشنی اب اتنی ہو چکی تھی کہ وہ وقت دیکھ سکتا تھا... بس اب انہیں کسی بھی لمحے آسمان پر نمودار ہونا تھا... اس نے افغانی جیکٹ کی جیبوں میں بھرے ہوئے کارتوسوں کو چیک کیا... بندوق کی نالیوں میں فٹ کارتوسوں سُرخ گولائیوں کو دیکھا اور یہاں وہ پھر مسکرایا.. کیونکہ کارتوسوں کے درمیان وہ ایک چھ سانپل تھا جس پر زَد لگنے سے سب کچھ فائر ہونا تھا.. گولائیوں کے درمیان میں ابھرا ہوا اس نے اس سے پیشتر روزمرہ کے استعمال کی اشیا میں جنسی شباہتیں کبھی تلاش نہیں تھیں، یا اسے نظر نہیں آتی تھیں اور اب شاید اس کی عمر ایسی تھی جب بقول کسے انسا ڈرٹی اولڈ مین ہو جاتا ہے نہیں ایسا نہیں.... یا شاید ایسا ہی ہے.....

آسمان پر سپیدۂ سحر تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا اور اِس کی سفیدی پانی کی گہری تاریکی کو بھی کم کرتی چلی جاتی تھی اور تب اس نے دیکھا کہ پانی کی سطح بالکل ہموار ہے...

"اوہ شٹ" وہ زیر لب بڑبڑایا.. اس نے جلدی سے بندوق خالی تھیلوں کے ا رکھی اور ڈولتے قدموں سے چلتا کشتی کے پچھلے حصے میں پڑی اس بوری کو اٹھالایا جس ڈیکائے سنبھالے ہوئے تھے۔ بوری کو کشتی میں الٹ کر وہ پانی میں اتر گیا... ویڈرز واقعی پروف تھے اور اس کی ٹانگوں کو باہر کی یخ سردی کا کوئی اندازہ نہ تھا... جب اس کا موسموں کو سہار سکتا تھا تو وہ کبھی ویڈرز نہیں پہنتا تھا... وہ یخ پانیوں میں اترتا تو اس کا ماس چند لمحوں کے لیے سرد ہوتا اور پھر سنبھل جاتا اور وہ پانی میں اپنے آپ کو کھینچ کھینچ چلتا تو ٹانگوں سے اوپر کا سارا بدن بے چین ہونے لگتا... اور جب پہلی مرتبہ اسے شدید

ہوا اور بہت دن تک بستر پر پڑا رہا تو اسے اگلے شکار پر ویڈرز پہننا پڑے..... اور پہلے روز جب اس کے ماس اور سرد پانی کے درمیان ریکسین حائل ہوئی تو گویا ماس اور پانی کے میل کی لذت ختم ہوئی..... پتہ نہیں کون تھا جو پانی میں مقید تھا، وہ نہ تھا کیونکہ اس کے ماس کو کچھ نہ چھوتا تھا سوائے ویڈرز کے چمڑے جیسے احساس اور ٹھنڈک کے..... جیسے اس نے ایک بڑا کنڈوم پہنا ہوا ہو — ڈرٹی اولڈ مین —

برگیتا بھی اسے ہمیشہ مجبور کرتی اور ایک عرصے سے ماس اور پانی کا میل نہ ہوا تھا۔

وہ پانی کی سطح پر ڈیکائے رکھتا گیا یہاں تک کہ ہلکورے لیتا ہوا ایک نیم دائرہ سا بن گیا..... پانی اور سرکنڈے جیسے آباد ہو گئے۔ وہاں دو درجن مختلف نسلوں کی مرغابیاں بے حس و حرکت تیرتی تھیں اور ان پلاسٹک سے بنے ہوئے پرندوں کو دیکھ کر ان کے ہم نسلوں نے اپنی پرواز منقطع کرنا تھی اور نیچے ان سے ملنے کے لیے اترنا تھا اور نیچے... مشاہد علی کی دونالی بیکال ان کی منتظر تھی..... اطالیہ کے بنے ہوئے ڈیکائے شکل و شباہت میں اتنے مکمل تھے کہ بعض اوقات شکاری بھی دھوکا کھا کر ان پر فائر کر دیتے تھے...

ڈیکائے پھیلا کر وہ واپس کشتی میں آ گیا۔

اس نے بیکال اپنے گھٹنوں پر رکھی اور انتظار کرنے لگا... اور اصلی شکار یہی انتظار تھا۔ دُھند آہستگی سے پانی پر سے اٹھتی تھی اور تحلیل ہوتی جاتی تھی۔

وہ انتظار کر رہا تھا اور فضا میں ٹھنڈک اور گلتی ہوئی گھاس اور بوسیدہ سرکنڈوں کی بُو تھی۔

یہ آس پاس کب تک ہے؟ اس میں ہمیشگی تو نہیں اور اس سارے وسیع علاقے میں کہ جس میں قادر آباد بیراج کے پانیوں کے ذخیرے اور ان میں اگے سرکنڈے اور کناروں پر موسم سرما کے سندیسے دیتی کاہی کے لمبے تنے دار پھولوں کی سفیدی اور دریائے ناب پر سے شرلانے بھرتی ہوئی یخ ہواؤں کی سائیں سائیں اور دریا اور بڑے حفاظتی بند کے درمیان پھیلے بیلے کی سیاہ خاموشی اور گہرا بھید اور — میں ہوں تو ان سب میں وجودگی کے کم سے کم لمحے میرے ہیں — مشاہد علی مشیل کے... پانی کی سطح پر ڈولتی یہ رغابیاں دراصل مرغابیاں نہیں ہیں، اپنی ہم نسلوں کے لیے ایک دھوکہ ہیں ایک پھندہ سا... یہ ڈیکائے ہیں زندگی اور پرواز کو ختم کرنے کے لیے...

کم سے کم لمحے میرے ہیں... یہ بوسیدہ اور گلتی ہوئی گھاس کئی برس تک یونہی

کناروں کے ساتھ لپٹے گی اور کبھی ہوا کے زور سے پیچھے ہٹ جائے گی — لیکن یہ ابھی رہے گی — اور میں اس سے بہت پہلے کے لمحوں میں بوسیدہ ہو جاؤں گا — آخر میری قربانی کی کیا ضرورت تھی — میرے بغیر بھی تو سب کچھ جاری و ساری تھا — اور میرے بغیر بھی سب کچھ جاری و ساری رہے گا —

نسل انسانی کا سب سے بڑا کارنامہ — ایک فخر — ایک بلند بانگ آئیڈیل قربانی ہی تو ہے۔ اور قربانی آپ کو کہاں لے جاتی ہے؟... کافرستان کے وہ اکثر، وہ بڑے بڑے پتھر جن پر لاکھوں بھیڑ بکریاں کٹیں اور ان کا خون بہا — تو پتھر تو پتھر ہی رہا اس پر کیا اثر ہو — یا جن کی قربانی ہوئی — مرضی سے ہاتھ میں پرچم پکڑے ہوئے یا مرضی کے خلاف جنہیں دھکیل دیا گیا ان سب کا End Result کیا ہوا؟

سمیع کا سر سفید ہو گیا ایک رات میں — اسے ایک تین فٹ لمبے اور ایک فٹ اونچے دراز میں پیک کر کے بند کر دیا گیا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں ہے، سانس کہاں ہے، وہ کہاں ہے.. صرف اندھیرے میں وہ کھانستا تھا اور جہاں تھا، وہیں تھا، ہل نہ سکتا اور اس کے ماس میں چیونٹیاں چلتی تھیں اور اس کے دماغ میں بچھو رینگتے تھے... کوئی نہیں جانتا کہ اگر کسی کو ایک دراز میں بند کر کے تالا لگا دیا جائے تو اس شخص پر ایک رات میں کیا گذرتی ہے، صرف وہ جانتا ہے جس پر گذری ہو بلکہ وہ بھی نہیں جانتا کیونکہ وہ تو صرف سانس کو کھینچنے اور منہ کھول کر بے آواز چیخنے میں ہی لگا رہتا ہے —

اور سمیع کو جب ساواک والوں نے اس دراز میں سے نکالا تو اس کا سارا سر سفید ہو چکا تھا۔ تو اب سمیع سڑکوں پر گھومتا ہے اور اسے کوئی بھی نہیں پوچھتا کہ تمہارا سر کیسے ہو گیا — اس نے بھی آئیڈیلز کے لیے قربانی دی —

شاہی قلعہ کی گہرائی میں جو کوٹھڑیاں تھیں وہاں بھی آئیڈیلز آئے... اور چونا منڈی کے تہ خانوں میں بھی ہمتوں والے آئے اور اٹک قلعے کی سختیوں کو جھیلنے والے بھی تھے.. لیکن End Result کیا ہوا —

سچ کیا ہے اور ایک بہتر دنیا کا خواب کیا ہے اور کیا اس خواب کے لیے جدوجہد جائز ہے.. اور کس کا کیا سچ ہے؟ کونسا سچ؟... یہ... یہ... یا... یہ سچ؟...

تمام جنگوں کا End Result کیا ہوا؟.. نتھنگ — نتھنگ — ڈسٹ اِز ڈسٹ خاک در خاک اور راکھ راکھ میں — ؟

پانی کی قربت کی یخ اس کی ہڈیوں میں اترنے لگی... کیا اتنا وقت ہے کہ دو گھونٹ کافی کے حلق سے اتار لیے جائیں؟... ہاں اتنا وقت ہونا چاہیے — اس نے فلاسک کو تھیلے میں سے کھینچ لیا.. کافی گرم تھی اور اس کی تمباکو ایسی نشہ دار مہک گلتی گھاس کی بُو سے مل کر اس کے آس پاس پھیلنے لگی- کافی کا ذائقہ الگ تھا... یورپی قوموں کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی کافی میں ہمیشہ ذائقہ الگ ہوتا تھا حالانکہ کافی اور دودھ وہی ہوتا تھا جن سے وہ خود کافی بناتا تھا اور پھر بھی برگیتا کے ہاتھوں کی کافی میں ایک گرم کڑواہٹ ہوتی تھی... لیکن برگیتا تو یورپی نہیں تھی... وہ تو پاکستانی تھی — کیا وہ پاکستانی تھی؟

اس سے کچھ فاصلے پر سرکنڈوں میں کچھ حرکت ہوئی جیسے کوئی اُن کے اندر اُنہیں پچھاڑتا تھا... خدا کرے کہ ایک دو ہی ہوں — اگر یہ زیادہ ہوئے تو خواہ مخواہ ادھم مچائیں گے اور مرغابی کم از کم میرے علاقے میں تو نہیں اترے گی — سرکنڈے تھوڑی دیر بعد اپنی اپنی جگہ پر آکر کھڑے ہو گئے- ہاں وہ ایک دو ہی تھے جو پانی پی کر چلے گئے-

اور پھر ایک اور سرسراہٹ ہوئی... اور اس کے پورے بدن کا نظام جہاں جو کچھ تھا ساکت ہو گیا — پروں کی سرسراہٹ ایک تواتر کے ساتھ اس کے کانوں میں آنے لگی- نیچے سیاہ ڈھب اور نیم سیاہ پانی اور سرکنڈے تھے اور اوپر آسمان پر روشنی کے ساتھ ساتھ مرغابیوں کی قطاریں چلی آ رہی تھیں... ان کی پرواز کی شان دیکھنے کے لائق تھی.. وہ ابھی بہت بلند تھیں، اس کے نشانے سے باہر لیکن اس نے اپنے آپ کو تیار کر لیا.. بیکال کی نالی آسمان کی جانب ہوئی اور اس نے اپنے کندھے کو ہلا کر بندوق کے بٹ کو فٹ کیا... پانی کی سطح پر ساکن پلاسٹک کی مرغابیوں میں بھی گویا جان پڑ گئی اور وہ دھیرے دھیرے ہلنے لگیں، گویا ان کو جو آسمان پر تھیں، بلانے لگیں اور وہ جو آسمان پر تھیں انہوں نے نیچے دیکھا، نیچے جہاں کئی کلومیٹر کے علاقے میں قادر آباد بیراج کے ساکن پانی اور سرکنڈے تھے اور ان میں ایک کنارے کے نزدیک ان کی ہم جولیاں تیرتی تھیں... انہوں نے جو آسمان پر تھیں پرواز کا مومنٹم توڑا اور سرکنڈوں کی سیدھ میں نیچے اترنے لگیں... اور بس یہی وہ لمحہ تھا... مشاہد نے سب سے اگلی مرغابی کے سر سے تقریباً چھ انچ آگے نشانہ باندھ کر فائر کیا اور بندوق کو مرغابی کے ساتھ ساتھ حرکت میں رکھا تاکہ فائر مکمل ہو جائے... پھر ایک اور فائر کیا اور اس نے بندوق نیچے کر لی... ایک مرغابی عین اس کے سامنے آکر گری لیکن وہ مر چکی تھی اور ایک پتھر کی طرح گری.. کچھ فاصلے پر سرکنڈوں کے اندر چھپاک چھپاک کی

آواز آئی اور اس نے مرغابیوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ کو اپنے بدن پر محسوس کیا۔ اس نے بندوق کشتی میں رکھی اور جلدی سے پانی میں اتر گیا... سرکنڈوں کے اندر ابھی تک خاصی تاریکی تھی.. اور وہاں مرغابیاں تڑپ رہی تھیں... اس نے پہلی مرغابی پر ہاتھ رکھا اس کی پرواز کی حدت اس کے پروں سے ابھی تک خارج ہو رہی تھی اور اس کا گوشت گرم تھا...

سرکنڈوں سے پرے دریائے چناب کے درمیان میں واقع ریت کے ایک بڑے ٹاپو کی طرف سے متعدد فائر ہوئے اور یہ فائر جس بے ترتیبی سے ہوئے مشاہد نے جان لیا کہ زاہد کالیا اور ڈاکٹر ارشد وہاں پہنچ چکے ہیں — اس نے بندوق کو پھر سے لوڈ کیا اور کچھ سوچ کر اسے تھیلوں پر رکھ دیا۔ چار مرغابیاں کافی تھیں.. ان میں سے ایک شیولر بڑے حجم کی جس کا کھانا گندا ہوتا ہے کیونکہ وہ خود بھی برا کھاتی ہے اور تین نیل سر تھیں مرغابیوں کی چالاک ترین نسل اور کھانے میں بھی بے حد نفیس — یہ کافی تھیں....

آج بارش کے بعد پہلا دن تھا — پچھلے کئی روز سے یہاں سرما کی بارشوں کا تھا اور اسی لیے آسمان مرغابیوں سے سیاہ ہو رہا تھا.. وہ بھی کئی دنوں کے بعد پرواز کے نکلی تھیں.. نیچے اگرچہ نیم تاریکی تھی لیکن وہاں اس بلندی پر ان کے پروں پر پہلی کرنیں تھیں اور وہ ایک مسلسل شائیں شائیں کی آواز سے فضا کو چیرتی یونانی دیومالا سنہری پرندوں کی طرح حرکت کر رہی تھیں — اور ان میں سے چار کشتی کے پیندے بے جان پڑی تھیں اور ان کا خون پروں میں سیاہ ہو چکا تھا... زندگی کا End Result کیا — یہی ہے۔

اس نے خوراک کا تھیلا کھول کر اس میں سے سینڈوچ نکالے اور انہیں سے کھانے لگا۔ برگیتا میں سویڈش پن بہت تھا، وہ تقریباً کچے گوشت کے ٹھنڈے سینڈ بناتی تھی اور انہیں بس نگلا جا سکتا تھا۔ اس کے باوجود اس نے کبھی شکایت نہیں کی تھی

آج سویرے وہ تقریباً ڈیڑھ بجے کے قریب لاہور سے چلا تھا اور اس ڈھلتی میں، دسمبر کی راتوں میں برگیتا کی گرم قربت چھوڑنا اس کے لیے بے حد دشوار تھا لیکن کے لیے وہ یہ جبر بھی کر لیتا تھا۔ اس کے بدن کی حدت گوجرانوالہ پہنچ کر کم ہوئی، کے آس پاس مدھم ہوئی اور پھر علی پور تک پہنچتے پہنچتے وہ برگیتا سے آزاد ہو چکا تھا نہر کے کنارے جیپ چلاتے ہوئے جب وہ بیراج تک پہنچا تھا تو وہ سب کچھ ماضی تھ

چھوڑ کر آ گئے تھے اور مستقبل صرف قادر آباد کے پانی اور سرکنڈے تھے.... اور جب کوئی شخص سرکنڈوں میں پوشیدہ کشتی میں بندوق گھٹنوں پر رکھے آسمان پر نظریں جمائے گہری توجہ سے سنتا ہے تو — ایک شکار اُس کے اندر ہو رہا ہوتا ہے جو باہر کے شکار سے زیادہ وسیع اور گہرا ہوتا ہے... اور بہت سارے لوگ باہر کے شکار کے لیے نہیں، اندر کے شکار کے لیے، شکار پر جاتے ہیں کہ وہاں ایک سناٹا ہو گا — گلتی گھاس کی بُو ہو گی اور انتظار ہو گا۔ مشاہد علی کے اندر کا شکار کم ہو گیا تھا... اور آج اسے احساس ہوا تھا کہ باہر کے شکار کے ساتھ بھی اس کا لگاؤ گھٹتا جا رہا تھا۔

مٹی کے بند کے اوپر ان کی جیپ کھڑی تھی۔ بل کھاتے ہوئے بلند فصیل نما بند پر جہاں تک نظر جاتی تھی کچھ نہ تھا صرف ان کی جیپ کھڑی تھی۔

بند کے دائیں طرف ہریاول کی فصلیں تھیں، مویشیوں کے چارے کا شلغم، اور گندم کے ہرے ہرے بوٹے جو ابھی سر نکال رہے تھے۔ ان کے پیچھے گنّے کے وسیع کھیت تھے جو سیلاب کی صورت میں بقیہ فصلوں کو بچاتے تھے۔ ان سے پرے کاہی سفید ہوتی تھی اور پھر دریائی جنگل کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ دریا یہاں سے دکھائی نہیں دیتا تھا۔ دریا کے دونوں کناروں پر سردیوں کے آغاز میں بے شمار کونجیں اترتی تھیں کیونکہ وہاں ریت بہت تھی اور نرم تھی۔ جنگل میں جو کالیاں اور ساہن پال والوں کے ڈیرے تھے۔ اس علاقے کی ہریالی کی مثالیں پورے پنجاب میں دی جاتی تھیں اور اسی لیے یہاں ڈھور ڈنگر رکھنے کا زیادہ رواج تھا... رانجھا انہی جنگلوں میں چاکر ہوا تھا۔

زاہد کالیا اور ڈاکٹر ارشد جیپ میں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

اس نے اپنے تھیلے کندھے سے اتار کر جیپ میں رکھے اور پھر جیسے کچھ شرمندگی کے ساتھ چاروں مرغابیوں کو سر سے اونچا کیا اور سر ہلا کر انہیں بھی جیپ کے فرش پر پھینک دیا۔

"صرف چار؟"

وہ کچھ نہیں بولا۔

"دو درجن — دو درجن —" زاہد کالیے نے اپنی دونوں انگلیاں اس کی آنکھوں کے آگے نچا کر کہا۔

ڈاکٹر ارشد چپکے سے اپنی کافی پیتا رہا۔

اس نے جیپ شارٹ کر دی۔

"مشاہد ـــ" ڈاکٹر ارشد نے اس کے کندھے کو تھپکا "تمہارا گاؤں بھی تو کہ
ادھر ہی ہے ـــ"

"ہاں ـــ" مشاہد نے سر ہلایا۔

صبح کی دھوپ جنگل کے درختوں اور کھیتوں پر جزیروں کی صورت میں رو
تھی.. جیپ کی رفتار اگرچہ تیز تھی لیکن حالیہ بارشوں کی وجہ سے دُھول بالکل نہیں اٹھ ر
تھی اور فضا بے حد صاف اور نتھری ہوئی تھی۔ قادر آباد کے ذخیرے کے پانی تاحدِ نظر
ہوئے تھے اور ان میں سرکنڈوں کے جھُنڈ تھے۔ پانیوں پر سینکڑوں مرغابیاں یوں تیرتی تھ
جیسے اصلی نہ ہوں ڈیکائے ہوں... اور اس طرح کی درجنوں ٹکڑیاں تھیں جو دسمبر
دھوپ میں اپنے آپ کو گرماتی تھیں۔ بند کے نیچے جہاں تک پانی آ رہے تھے وہاں کن
کے بڑے بڑے پھول تھے جو جہازی سائز پتوں میں سے ڈنٹھل اُٹھائے بند پر جاتی اس ج
کو تکتے جاتے تھے.. یہیں پر انہوں نے بوڑھے جم کاربٹ کو دیکھا اور وہ انہیں اس یہ
میں دوسری مرتبہ نظر آیا تھا..

"ہیلو جم ـــ" مشاہد نے جیپ روک کر اسے پکارا.. اس نے نہیں سنا.. زاہد کا
نے خوب گلا پھاڑ کر متعدد بار "اوئے جم کاربٹ اوئے جم کاربٹ" کے نعرے لگائے.
نیچے بہت نیچے تھے اور وہاں تک آواز پہنچتی کم تھی اور ظاہر ہے وہ سنتا بھی کم تھا..
کالیے کی آواز اس تک پہنچ گئی اور اس نے سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا اور پھر نہا
پرجوش انداز میں ہاتھ ہلایا... اس کے بوڑھے ملازم نے بھی اوپر دیکھا لیکن وہ زیادہ دیر
نہ دیکھ سکا کیونکہ وہ بندوق اور متعدد تھیلوں کے بوجھ سے جھکا جاتا تھا... جم کاربٹ
دائیں ہاتھ کے پنجے سے دو مرغابیاں لٹک رہی تھیں۔

مشاہد نے ہینڈ بریک اٹھا کر جیپ کو پھر سے شارٹ کر دیا۔

"کبھی جم کاربٹ کو ملنا چاہیے ـــ" ڈاکٹر ارشد نے کہا۔

"آہو یار ـــ" کالیے نے سر ہلایا.. "پتہ تو کرنا چاہیے کہ یہ ہے کون۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا ـــ اب یہ ہے کہ ہم جہاں بھی شکار کو جاتے
ہمیں اس کی تلاش رہتی ہے اور اگر وہ نظر آ جائے تو ہم کتنے خوش ہوتے ہیں..
باقاعدہ ایک منظر ہے جو ہمارے دلوں کو گہری مسرت سے بھر دیتا ہے.. تفصیل میں ج

اور جاننے کی کیا ضرورت ہے —"

"گڈ اولڈ جم کاربٹ —" ڈاکٹر ارشد پہلی بار مسکرایا۔

بند کے ساتھ ایک قبرستان دکھائی دیا اور اس سے پرے ایک گاؤں کے گھر اور صحن تھے۔ ان میں کہیں کہیں دھوپ تھی۔

"اس قبرستان میں کوئی ایک قبر میرے دادا کی ہے — اور میں نہیں جانتا کہ کونسی ہے.. — اور کوئی ایک قبر میرے پردادا کی ہے اور... میں کئی بار سوچتا ہوں کہ اگر قادر آباد میں شکار کے دوران مجھے کچھ ہو جائے تو کیا تم مجھے یہیں اسی قبرستان میں دفن کر کے لاہور چلے جاؤ گے — تم جانتے ہو کہ مجھے اپنے گاؤں کی گلیوں میں گئے ہوئے دس برس سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے؟"

"تمہیں کبھی خواہش نہیں ہوئی؟"

"نہیں —" مشاہد نے سر جھٹکا۔ "یہاں میرا کوئی نہیں۔ صرف یہ قبریں ہیں.. اور قبروں کو کیا فرق پڑتا ہے کہ اگر ان پر پھول چڑھانے والا اور فاتحہ پڑھنے والا کوئی ہے یا نہیں ہے۔ بس وہ تھوڑی سی زمین ہے چند بیگھے...." اس نے جیپ کو بیک کر کے دوبارہ قادر آباد کی طرف موڑ لیا —

گھنا جنگل اور کاہی کی سفیدی اب ان کے بائیں جانب ہو گئی تھی۔ یکدم اس نے جیپ روک دی۔ اس کے ساتھیوں نے اسے سوالیہ آنکھوں سے دیکھا...

"کیا تم بھی سن سکتے ہو —" وہ جنگل کو تکتا تھا اور سننے کی کوشش کرتا تھا..

"کہیں فائر ہوا ہے؟" کالیے نے پوچھا۔

"نہیں — کسی بھینسے کے ڈکرانے کی آواز ہے —"

"ہو گی، ضرور ہو گی —" ڈاکٹر ارشد نے کہا "لیکن ہمیں اب چلنا چاہیے — ہمیں بٹ خیلہ پہنچنا ہے اور اسے اسلام آباد — ہمیں چلنا چاہیے۔"

گوجرانوالہ سے دو رویہ سڑک کا آغاز ہوا تو اس کے تنے ہوئے اعصاب کچھ پرسکون ہوئے اور اس نے گردن ڈھیلی کر کے ونڈ شیلڈ سے اوپر پاپلر کے درختوں میں سے تیزی سے گذرتے آسمان کو دیکھا.. دھوپ ابھی وہیں تھی درختوں کی چوٹیوں پر اور سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی.. برما کے محاذ کی یادگار اس کی پرانی ولیز جیپ

بالاکوٹ کے مستریوں نے ری کنڈیشنڈ کی تھی اور یہ ہموار شاہراہوں کے لیے نہیں تھی
اس کے انجن کو آسودگی تب حاصل ہوتی تھی جب اسے ہل چلائے کھیتوں اور پہا
ندیوں کی خشک گذرگاہوں میں ڈال دیا جاتا تھا.. بہرحال دسمبر کی اس صبح میں لاہور جا
والی ہموار سڑک پر بھی اس کے انجن کی آواز ایک نخریلی بلی کی طرح غراتی چلی جاتی تھی
دونوں جانب کھیت تیزی سے گھٹ رہے تھے، جہاں صنعتی عمارتیں نہیں تھیں وہاں
چار دیواریاں تھیں جن کے اندر ابھی تو چارے کے کھیت تھے لیکن وہاں اُن انڈسٹریز
بورڈ لگ چکے تھے جن کی بدہیئت اور بے کردار عمارتیں وزارت صنعت میں کسی سفار
کی منتظر تھیں۔

اس نے سڑک سے نظریں ہٹائیں اور بائیں ہاتھ پر دیکھا... کہُر سے ماری
خشک اور کھُردری گھاس کے چند ٹکڑے کلراٹھی زمین کی وسعت پر صبح کی دھوپ میں
تک ٹھٹھرے ہوئے لگتے تھے۔ ان سے چند کھیت پرے ایک سیلابی پل کی درجنوں محرا
کے اوپر لاہور جانے والی کوئی پسنجر ٹرین جیسے صبح کی دھوپ سے ست ہو رہی تھی۔
ٹرین کی رفتار کچھ دیر سے اس کی جیپ کے ساتھ ہم آہنگ ہو چکی تھی اور وہ
دوسرے کی نظر میں ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔

کالیا اور ڈاکٹر اس وقت لالہ موسیٰ کے قریب پہنچ چکے ہوں گے... اس نے
کی رفتار آہستہ کر دی تاکہ لاہور جانے والی ٹرین اوجھل ہو کر اس لینڈ سکیپ کو خلا
دے جسے وہ اس کے قدرتی رنگ میں ہی دیکھنا چاہتا تھا.... جوہڑوں کے کناروں پر کاہی
سفید سے نامعلوم ہوا سے حرکت میں آتے تھے اور سفید بگلے قریب سے گذرتی جیپ
لمحہ بھر کے لیے ٹھٹھکتے تھے اور پھر شانت ہو جاتے تھے۔ سڑک سے ایک کچا راستہ نیچے
تھا اور پھر وہاں تک دکھائی دیتا تھا جہاں پر ایک نئی فیکٹری زیر تعمیر تھی۔ مشاہد نے
روکی تو اس کے کان خاموشی کے سناٹے میں آ گئے اور اس نے سر جھٹک کر اپنے آ
نارمل کیا۔ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ ٹھہرے ہوئے پانی کے جوہڑ دور تک چلے جاتے
اور ان کے کناروں پر خشک گھاس اور سوکھے ہوئے سرکنڈے تھے۔ پانی میں بوسیدہ
گھاس اور بوٹیوں کی بُو جب اس کے نتھنوں میں آئی تو جیسے وہ چوکنا ہوا کہ اب وہ
کشتی میں صبح کے اندھیرے میں شکار کے لیے جاتا ہے۔ ابھی ان کا موسم نہیں تھا
اپریل کے دنوں میں یہ جوہڑ سفید اور گلابی کنول سے ڈھکے جاتے تھے اور ایسے ڈھکے

تھے کہ ان پر ننگے پاؤں چلنے کو جی چاہتا تھا۔ پر انہیں کوئی نہیں دیکھتا تھا، ان کے پُرسکون اور دل کو گرفت میں لے لینے والے حُسن کے گیت کسی نے نہیں گائے... صرف اس لیے کہ یہ اوجھل تھے... ٹرینیں تیزی سے گزر جاتیں اور شاہراہ یہاں سے کچھ فاصلے پر تھی — صرف مشاہد تھا جو ہمیشہ یہاں تھوڑی دیر کے لیے رُک کر پھر اپنا سفر جاری رکھتا۔ کنول کے یہ تختے ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ بہت دور تک چلتے تھے... تو کیا ان کے حُسن کے گیت کسی نے اس لیے نہیں گائے کہ یہ ذرا اوجھل تھے؟... نہیں ان کی توصیف یوں نہ ہوئی کہ یہ سادھو کے جیسے قصبے کے آس پاس تھے.. اگر کنول کے یہی تختے جھیل ونڈرمیر کے کناروں پر ہوتے تو ورڈزورتھ کو اپنے "ڈیفوڈلز" دکھائی ہی نہ دیتے اور وہ اے ہوسٹ آف گولڈن ڈیفوڈلز کی بجائے اسے ہوسٹ آف پنک لوٹسز تحریر کرتا۔ ریلوے لائن کے ساتھ، کاہی کے نیچے، صبح کی ہوا میں کپکپاتے اور رقص کرتے... اے ہوسٹ آف پنک لوٹسز...

لیکن آج رات نہیں جوزفین — ابھی تو دسمبر ہے.. مارچ کے آخر میں ایک انبوہ گلابی کنول کا تمہارے لیے.. ابھی ان کا موسم نہیں ہے۔ اور موسم کس کا ہے جوزفین؟ زوال کا... آج صبح دو بج کر سولہ منٹ پر جب وہ شیو کر رہا تھا تو یکدم اس کے مُنہ میں ایک بھونا سا پتھر کہیں سے لڑھکتا آیا اور اس نے اسے بیسن میں اُگل دیا... وہ حیرت سے سکتے میں آیا کہ یہ اس کی اپنی داڑھ تھی جو بہت دنوں سے ہل رہی تھی.. اسے بیسن کی سفید سطح پر ایک گدلے اور بدوضع موتی کی طرح پڑی داڑھ کو دیکھ کر بے حد دکھ ہوا تھا... اس نے پچاس برس تک میرے ذائقوں میں میرا ساتھ دیا تھا، یہ میرے بدن کا ایک حصہ تھی اور اب میرے سامنے پڑی ہے — اس نے زبان سے اس حصے کو ٹٹولا جو خالی ہو چکا تھا... وہ بار بار مُنہ بھینچتا تھا کیونکہ اسے اس خلا کی عادت نہیں ہو رہی تھی — تو یہ زوال کا پہلا شارہ تھا جو آج صبح دو بج کر سولہ منٹ پر بیسن کی سفید سطح پر پڑا تھا... بس موسم اسی کا ہے جوزفین... ایک انبوہ گلابی کنول کا، ابھی نہیں — یا شاید کبھی نہیں۔

مشاہد علی مثیل نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے سامنے کیا... ان پر جُھرّیاں تھیں اور گوشت کی پکڑ ڈھیلی پڑ چکی تھی... اس کے ہاتھوں اور مُردہ مرغابی کے پنجوں میں کوئی فرق نہ تھا۔

"شکار کیسا رہا؟"

"چار ـــ"

"چار کیا؟"

"چار مرغابیاں... ایک شیولر... اور تین نیل سر..."

"لیکن تم خوش نہیں ہو۔"

"نہیں، میں خوش نہیں ہوں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ چار مرغابیوں کا خوشی سے کوئی تعلق نہیں ـــ"

درخت کسی ایک قسم کے نہیں تھے۔ وہ اونچے، پستہ قد، پھیلے ہوئے، منحنی سیدھے، گھنے یا چھدرے تھے لیکن سب کے سب پرانے تھے۔ ایک جھنڈ تھا جس جامن، بھیڑے، کچنار، شیشم، دھریک اور املتاس الگ الگ دکھائی نہیں دیتے تھے، ہ پرندوں کو ان کی پہچان تھی۔ وہ سب ان کے اندھیرے میں رہتے تھے اور باہر سے د نہیں دیتے تھے.. دھوبن چڑیاں بہت تھیں، ہُدہُد بھی تھے اور کوئلیں بھی ایسی تھی کہ وہ بہت کم آتی تھیں۔ تیز دُھوپوں والی جون کی دوپہروں میں املتاس کی پیلاہٹ کا انبار سے الگ ہو جاتا... اس کے زرد گچھے چینی لالٹینوں کی طرح ہوا سے جھولتے رہتے... درختوں میں سات کمروں والی کوٹھی واقع تھی.. اسے سات کمروں والی کوٹھی اس لیے جاتا تھا کہ اس کے.... سات کمرے تھے... اور ان میں سے ایک طویل کمرہ دالان کے ساتھ چلا گیا تھا اور اس دالان سے جن درختوں کے تنے نظر آتے تھے ان پر اب دُھوپ ذرا کم تھی... دسمبر میں دُھوپ ان کی چوٹیوں پر اُترتی اور اُترتے اُترتے رُک اور پھر وہیں سے رخصت ہو جاتی۔ طویل کمرہ ان دونوں کا تھا۔

برگیتا برکت علی ایزبرگ نے مشیل کو حیرت سے دیکھا اور کہا، تم مجھے اتنی ح

سے کیوں دیکھ رہے ہو؟

"کیونکہ خوشی کا تعلق تم سے ہے —"

"ہم پانچ برس سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، کیا اس عرصے میں تمہاری بے یقینی ختم نہیں ہوئی۔"

"نہیں —"

"تمہاری آنکھوں میں بے یقینی نہیں، حیرت ہے — کیوں؟"

"پابلو نرودا نے سری لنکا کی ایک بھنگن کے پورے بدن کو دیکھا تو وہ اسے ایک سیاہ وینس کی طرح نظر آئی۔ اور نرودا کا کہنا ہے کہ جب میں اس سے محبت کر رہا تھا تو وہ مجھے حیرت سے تکتی تھی کہ یہ شخص کیا کر رہا ہے —"

اس نے برگیتا کے بدن کو یکدم ڈھیلے پڑتے اور ٹھنڈے ہوتے محسوس کیا۔ وہ جو مدھم حرکتوں میں تھی بالکل ساکت ہو گئی۔ اس نے اسے آہستہ سے اپنے آپ سے الگ کیا اور بستر کی سفید چادر میں ہو گئی۔

"تم نے مجھے پہلی بار تو نہیں دیکھا کہ حیرت سے دیکھتے تھے۔" چادر کی سفیدی میں اس کے بدن کی سیاہی اتنی گہری تھی کہ وہاں وہاں رات ہوتی تھی جہاں جہاں وہ تھی اور جہاں جہاں وہ تھی وہاں وہ چادر سے سنبھلتی نہ تھی۔

"نہیں۔ لیکن میں اپنی حیرت کو قابو میں نہیں رکھ سکتا جب بھی تمہیں دیکھتا ہوں۔ میں تمہارے تنے ہوئے تناسب کو بھول جاتا ہوں ہر مرتبہ — اور یہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ انسان بدن کو دیکھتا زیادہ ہے اور..."

برگیتا کا پورا بدن جال میں جکڑے کسی وحشی کی طرح اُس بے اختیار ہنسی سے چادر کسمسایا جسے اس نے مشکل سے دبایا "تم اپنی عمر کے بارے میں ضرورت سے زیادہ نشس ہو رہے ہو۔ میں نے تو کوئی تبدیلی محسوس نہیں کی۔"

"آج صبح دو بج کر سولہ منٹ پر جب میں شیو کر رہا تھا تو میری ہلتی ہوئی داڑھ رے مُنہ میں آ گئی... اور اب وہاں خلاء ہے اور مجھے اس کی عادت نہیں ہو رہی... مجھے ا لگتا ہے کہ جو لفظ میرے مُنہ سے نکلتے ہیں وہ کچھ قابو میں نہیں رہتے... کیا تم نے یہ یلی بھی محسوس نہیں کی؟"

"نہیں —" وہ اس کے ساتھ آ لگی۔ "لیکن وہ خلاء ہے کہاں — دکھاؤ۔"

مشاہد نے مُنہ کھول دیا۔ برگیتا کی آنکھیں اس کے مُنہ کے قریب ہو گئیں
"روشنی کم ہے.. مجھے تو نظر نہیں آتا۔"
"دیکھو — میں بھی بھول جاتا ہوں کہ کہاں ہے لیکن زبان پھیرتا ہوں تو پھر دو
داڑھوں کے درمیان اٹک جاتی ہے۔"
"یہ تو بہت آسان طریقہ ہے — اب میں خود تلاش کرلوں گی۔"
برگیتا سویڈش ہونے کے باوجود اردو اور خاص طور پر پنجابی میں بے حد روا
تھی۔ وہ اپنا مطلب مکمل تفصیل کے ساتھ بیان کرنے پر قادر تھی لیکن کس لفظ پر زور د
ہے اور کس لفظ کو سرسری طریقے سے کہہ کر آگے بڑھنا ہے اس پر وہ بھٹک جاتی تھی او
یوں اس کے کئی فقرے عجیب و غریب معانی کے حامل ہو جاتے.... اس کا لہجہ بہرطو
سویڈش تھا اور وہ اب بھی ہاں یا نہ کہتے ہوئے ایک ہچکی کے ساتھ اپنا سانس بدن کے اند
کھینچتی.. پورے یورپ میں سویڈز کی یہی پہچان تھی کہ وہ فقرے کے اختتام پر یا سرہلا
ہوئے ایک مشکل سا اور مختصر سا سانس لیتے جیسے رُک گیا ہو اور بعض لڑکیوں میں یہ عادت
عجیب سی کشش کی حامل ہو جاتی...
وہ بہت دیر کے بعد اس سے الگ ہوئی اور پھر ایک رُکے ہوئے سانس کے سا
کہنے لگی۔
"میری کرسمس مشیل —"
مشاہد سنّاٹے میں آ گیا اور اس کے پورے بدن سے یکدم پشیمانی کا پسینہ پھو
لگا.. اس نے ایک بار پھر فراموش کر دیا تھا.. اسے یاد ہی نہ تھا۔ اسے آج صبح یاد تھا ا
اب... اسے یاد ہی نہ تھا "اوہ آئی ایم سوری ڈارلنگ... پلیز فارگو می.. آئی فارگوٹ.. آ
پلین فارگوٹ..."
"مجھے معلوم تھا کہ تم بھول چکے ہو... ویسے میں نے انتظار کیا، بہت انتظار کیا
آج جب تم شکار سے لوٹے تھے تو جیپ کے انجن کی آواز سے سارے پرندے پہلے سہم
خاموش ہوئے اور پھر پہلے سے بھی زیادہ شور مچانے لگے... تم بہت چپکے سے احتیاط
اندر آئے تاکہ میں جاگ نہ جاؤں، میں نے تب بھی انتظار کیا کہ تم آ کر مجھے چومو گے
کہو گے، میری کرسمس برگیتا..."
"چومنے کا کام تو میں اب بھی کر سکتا ہوں —" وہ ابھی تک شرمندہ ہوتا چلا

تھا..

"نہ.. اب بہت دیر ہو چکی ہے.."

"بہرحال.. میری کرسمس برگیتا.. تم کہیں جانا چاہتی ہو؟"

"وہیں جہاں ہم ہر کرسمس کو جاتے ہیں — اور کہیں نہیں۔"

"وہاں تو ہم جائیں گے.." مشاہد ابھی تک نارمل نہیں ہو سکا تھا.. "اور کرسمس ٹری کا کوئی بندوبست ہوا؟"

"نہیں —" وہ ہنسنے لگی "یہاں صرف مورپنکھ کے پودے ملتے ہیں اور وہ کسی طور بھی کرسمس ٹری نہیں ہوتے.. یا پھر کئی لوگ مری اور نتھیا گلی سے چوری چھپے چیڑ کے نوجوان درخت اکھاڑ لاتے ہیں جو کہ شرمناک ہے.. ویسے تو چیڑ بھی کرسمس ٹری نہیں ہوتے..."

"تو پھر؟"

"تو پھر —" اس نے خصوصی سویڈش ہچکی بھری "تو پھر.. میں سوچوں گی... شاید سات کمروں والی کوٹھی کا کوئی ایک بلند درخت اس کام کے لیے موزوں ہو... کوئی بھی درخت کرسمس ٹری ہو سکتا ہے... یا نہیں ہو سکتا؟"

"ہو سکتا ہے —"

چادر سے باہر ہو کر وہ کھڑکی کے شیشے سے ناک لگا کر کھڑی ہو گئی "مجھے ابھی تک اس صاف موسموں والی روشن کرسمس کی عادت نہیں ہو سکی... یونے بورگ میں تو کرسمس کا دن اکثر دھند میں لپٹا گذر جاتا ہے اور یہی اس کی کشش ہوتی تھی۔ پتہ نہیں آج وہاں کیسا موسم ہو گا.. پاپا راڈنی کیا کر رہے ہوں گے، مجھے یقین ہے وہ سارا دن اپنی موٹر بوٹ کو مرمت کرنے میں گذار دیں گے... اور ماما اُلا، مجھے یقین ہے کسی اور مرد کے ساتھ چلی جائیں گی... یہی کچھ ہوتا تھا یونے بورگ میں..." اس نے کھڑکی کے پٹ پورے کھول دیئے۔ سرد ہوا کی کاٹ اندر آ کر اس کے بدن پر پھیلی اور اس کے کچھ حصے تھرا گئے۔

"حماقت نہیں کرو برگیتا.." مشاہد کی نظریں اس کے بدن سے ہٹتی نہ تھیں، نرودا کی ایک سیاہ بدن کے لیے فیسی نیشن اس کی سمجھ میں آتی تھی... "سردی ہے... کھڑکی بند کر دو.."

برگیتا نے مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا بلکہ درختوں کے تنوں تک آئی ہوئی دُھوپ پر نظریں جمائے اس نے کھڑکی کی سِل پر پاؤں رکھا اور برآمدے میں کود گئی۔ اور وہاں سے اس نے گردن کو بل دے کر پیچھے دیکھا — "مشاہد... میں کچھ دُھوپ کچھ تازہ ہوا لینا چاہتی ہوں۔"

وہ بے حد بیزار ہوا۔ وہ ہمیشہ بیزار ہوتا تھا۔ یہ عورت کیوں نہیں سمجھتی... درختوں سے پرے چار دیواری ہے اور کوئی بھی اندر جھانک سکتا ہے، اندر آ سکتا ہے — اس نے شتابی سے اپنی بوسیدہ نیلی جین چڑھائی اور کمرے سے باہر آ گیا — ہیٹر کی گرمی سے آسودہ کیے ہوئے اس کے جسم سے دسمبر کی سرد کرچیوں والی ہوا ٹکرائی اور اس نے ایک جھرجھری سی لی.. اسے سویٹر پہن کر باہر آنا چاہیے تھا، یہ عمر رسک لینے والی نہیں تھی چاہے آپ اس کے بارے میں کانشس ہوں یا نہ ہوں۔

"اب تم مجھے ایک لیکچر دو گے —" وہ اتنے قدرتی طریقے سے اس کی جانب آہستہ آہستہ قدم رکھتی آئی جیسے وہ کسی خاص موقع کے لیے پراپرلی ڈریسڈ ہو، پیئر کارڈن کے شام کے لباس میں شاید۔ "لیکن تم مجھے کنونس نہیں کر سکتے.. کبھی نہیں...

اگر آسمان بادلوں سے خالی ہو.. اور دھوپ ہو تو... انسان بند کمروں سے باہر نکل کر کھلی فضا میں اپنے بدن کو سانس کیوں نہ لینے دے... ہمارا جو سمر ہاؤس تھا یونے بورگ کے قریب جنگل میں اور تم وہاں جا چکے ہو تو وہاں ہم جب بھی گئے اور یہ بہت کم ہوتا تھا لیکن جب بھی دُھوپ نکلی تو ہم سب باہر آ جاتے تھے تاکہ ہمارے جسم کھل سکیں، سانس لے سکیں۔ پاپا اور ماما بھی.. پاپا اسی طرح مشین سے گھاس کاٹتے تھے اور ماما جھیل میں نہاتی رہتی تھیں — اسی طرح جس طرح میں ہوں — اس میں کیا خرابی ہے؟"

"اس مسئلے پر گفتگو فضول ہے —"

"ہاں بالکل فضول ہے —" برگیتا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی چھاتیوں پر رکھا — "تم اب بھی قید میں ہو.. تمہارے ٹیبوز اور قبائلی یقین اتنے گہرے ہیں کہ وہاں تک پہنچ پہنچتے تمہاری لبرل ازم خلاص ہو جاتی ہے... اور تم قبائلی کے قبائلی ہی رہتے ہو... اور ہا تمہاری باجیاں آئی تھیں —"

"کہاں؟" مشاہد نے اپنا ہاتھ چھڑا کر کوٹھی کے اس پھاٹک کی طرف سہم کر د جو اب بوسیدہ ہو کر ٹیڑھا ہو چکا تھا اور اگر کوئی شخص قدرے جھک کر اس کے اندر جھا

تو وہ ان دونوں کو بآسانی دیکھ سکتا تھا — وہ جیسے بھی تھے اور جہاں بھی تھے۔

"صبح سویرے — مجھ میری کرسمس کہنے آئی تھیں... ازنٹ دیٹ سویٹ —"

"صرف اس لیے آئی تھیں؟"

"ہاں اور حسبِ عادت میں بھی منتظر تھی اور انہوں نے مجھے مایوس نہیں کیا، وہ خُوب دھواں دار طریقے سے روئیں اور ایک دوسرے کو آنسو اور ناکیں پونچھنے کے لیے ٹِشوز سپلائی کرتی رہیں... اور جب وہ خُوب رو چکیں تو انہوں نے حسب عادت مجھ سے نہایت اُلفت اور چاہ سے پوچھا کہ کیا میں کرسمس گزارنے کے لیے کامونکی نہیں جا رہی اپنے میکے اپنے رشتہ داروں کے پاس —"

"آئی ایم سوری برگیتا —"

"نہیں تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ کامونکی کا حوالہ دیئے بغیر چلی جاتیں تو مجھے سخت مایوسی ہوتی —" وہ درختوں سے ذرا پرے ہٹی جہاں دھوپ تھی۔ اوپر پتوں میں کوئی پرندہ ایک عجیب گہری اور پژمردہ آواز میں بولتا تھا جیسے کوئی مریض آخری سانس لے رہا ہو... ہا... ہا آ... "اس کی آواز دھوکے میں ڈالتی ہے... ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہاں پتّوں میں کوئی پرندہ ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی اور ہو... کچھ اور ہو —"

"ہے تو پرندہ کچھ اور کیا ہو گا لیکن میں اسے جانتا نہیں —"

"شکاری کو تو جاننا چاہیے —"

"ہاں — باجیوں نے صرف کامونکی کا حوالہ دیا؟"

برگیتا کی ہنسی تیز تھی اِتنی کہ وہ پرندہ چُپ ہو گیا۔ "اُنہوں نے وہ حوالہ بھی دیا اور آج میں نے اُنہیں چُپ کرا دیا وہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتی تھیں اور سر ہلاتی تھیں... وہ آئندہ نہیں پوچھیں گی — میں نے اُن کی تسلی کر دی.. اب نہیں پوچھیں گی۔"

"کیسے تسلی کر دی؟"

"بس ایسے ہی —"

"تمہیں سردی نہیں لگ رہی؟ دسمبر ہے اور... ہوا خاصی سرد ہے... اندر چلو" مشاہد نے بہت ضبط کیا لیکن اُس کے جسم نے بے اختیار کانپنا شروع کر دیا "چلو اب آ جاؤ..."

"آوچ —" برگیتا ایک ہلکی چیخ کے ساتھ کہرے سے جلی ہوئی خشک گھاس پر بیٹھ